انسانی جان اور جسم کے خلاف جرائم کی سزا

اسلامی قانون میں

ڈاکٹر عبدالعزیز عامر

ترجمہ: معروف شاہ شیرازی

انسان کی ذات کے خلاف جن جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے فقہاء انہیں دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں ایک وہ جرائم جن کے نتیجے میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ ان کو نفسِ انسانی کے خلاف جرائم (CRIMES AGAINST PERSON) کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جرائم جن کے نتیجے میں موت سے کم درجے کی مضرت انسانی جسم کو پہنچتی ہے۔ ایسے جرائم کو جسم انسانی کے خلاف جرم (GRIME AGAINST BODY) کہتے ہیں۔

پہلی قسم یعنی قتل کی پھر کئی قسمیں ہیں۔ قتلِ عمد (جان بوجھ کر قتل کے ارادے سے قتل کرنا)۔ قتل شبہ عمد (جس میں یہ شبہ کرنے کا موقع ہو کہ قتل کی نیت سے قتل کیا گیا ہے)۔ قتلِ خطاء (جو قتل بلا ارادہ غلطی سے ہو گیا ہو)۔ قتل جاری مجریٰ الخطاء (جو قتل بلا ارادہ قتل کے درجہ میں ہو)۔ اور قتل بالسببیت (قتل کا سبب بننا)۔ قتل کی ان اقسام کے ناموں اور تعریفوں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل اپنی جگہ ان شاء اللہ آئے گی۔

رہے وہ جرائم جو جسم انسانی کے خلاف کیے جاتے ہیں اور ان کے نتیجے میں موت واقع نہیں ہوتی، تو ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ ایک وہ جرائم جو انسانی جسم کے اعضاء پر واقع ہوں۔ دوسرے وہ جرائم جن کی وجہ سے اعضاء کی سودمندی جاتی رہے۔ تیسرے سر اور چہرے کے خلاف جرائم جنہیں فقہاء "شجاج" (FRACTURE) کہتے ہیں۔ چوتھے وہ جو جسم کے بقیہ حصوں کے خلاف سرزد ہوں جنہیں "جراح" (زخم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان جرائم میں سے اکثر کے لیے تو اسلامی شریعت نے پہلے سے متعین سزائیں تجویز کر دی ہیں۔ مثلاً قتلِ عمد میں قصاص واجب ہے، اور اگر کسی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے تو خون بہا اس کی جگہ لے لیتا ہے الا یہ کہ ورثاء مقتول نے بغیر کسی عوض کے مجرم کو معاف کر دیا ہو۔ اس صورت میں اس پر دیت واجب نہ ہو گی۔ مزید برآں قاتل کے لیے ایک سزا یہ بھی ہے کہ اگر وہ مقتول کا وارث ہو تو اس کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

قتل شبہ عمد میں دیت واجب ہے اور اس کے علاوہ دوسری سزائیں ہیں۔ مثلاً میراث سے محرومی اور کفارہ کی ادائیگی۔ اگرچہ کفارہ کی ادائیگی میں فقہاء کے درمیان اختلاف بھی ہے۔

قتلِ خطاء اور جاری مجری الخطاء میں دیت، کفارہ اور میراثِ مقتول سے محرومی ہے۔

قتلِ بسببیت میں صرف دیت کی سزا ہوتی ہے۔ نہ کفارہ واجب ہوتا ہے اور نہ مجرم کو میراث سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ البتہ بعض فقہاء اس کا بھی وہی حکم بتاتے ہیں جو قتلِ خطاء کا ہے۔

یہ تو تھیں قتل کی مختلف اقسام۔ رہے وہ جرائم جن سے جسم انسانی کو مضرت پہنچتی ہے تو ان کا ارتکاب اگر عمداً کیا گیا ہو تو ان میں قصاص واجب ہے، بشرطیکہ نفاذِ قصاص کی جملہ شرائط پوری ہو رہی ہوں، خصوصاً ظالم اور مظلوم کے اعضاء کی مماثلت اور اس بات کا امکان کہ ضرر رسیدہ کے عضو کا بدلہ ظالم کے ویسے ہی عضو سے لیا جا سکے۔ اور اگر کسی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے تو پھر جیسی صورتِ حال ہو اس کے لحاظ سے یا تو دیت واجب ہوتی ہے یا زخم کا معاوضہ دلایا جاتا ہے۔ نیز اُن جرائم میں بھی حسبِ حال دیت یا معاوضہ واجب ہوتا ہے جو مجرم کے ارادے کے بغیر کسی انسانی جسم کے خلاف سرزد ہو جائیں۔

اس بحث سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو جرائم انسانی جان یا انسانی جسم کے خلاف سرزد ہوتے ہیں ان میں سے بیشتر کے لیے شریعت نے پہلے سے سزائیں مقرر کر رکھی ہیں اور ان کی نوعیت غیر معین سزاؤں، یعنی تعزیرات سے مختلف ہے۔ نیز یہ بات بھی اس سے معلوم ہو جاتی ہے کہ قصاص کی سزا صرف اس وقت نافذ ہوتی ہے جب چند خاص اور متعین شرطیں پائی جاتی ہوں، اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو پھر قصاص کی جگہ دیت واجب ہو جاتی ہے۔

اب میں مختصراً قصاص کی شرائط اور وہ صورتیں بیان کروں گا جن میں وہ شرائط پوری نہیں ہوتیں تاکہ یہ

معلوم ہو سکے کہ قصاص کے مقدمات میں تعزیر کا موقع کہاں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح میں ان حالات کی وضاحت بھی کردوں گا جن میں دیت یا معاوضۂ زخم ضروری ہوتے ہیں، کیونکہ یہ معاوضے حکومت کو نہیں بلکہ شخص متضرر یا اس کے ورثاء کو دیئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ بحث بھی ضروری ہو جاتی ہے کہ ان معاملات میں آیا تعزیری سزا دینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بحث کا ایک حصہ قتل اور اس کے مختلف حالات کے لیے مخصوص ہوگا اور دوسرے حصہ میں وہ جرائم بیان ہوں گے جن کا ارتکاب جسم انسانی کے خلاف ہوتا ہے

قتل کی مختلف اقسام

۱۔ قتلِ عمد اس سے قبل ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ اسلامی قانون میں قتلِ عمد کے ارتکاب پر قصاص واجب ہے، لیکن وجوبِ قصاص کے لیے قصاص کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ قصاص کی اہم شرائط یہ ہیں کہ جہاں تک قاتل کا تعلق ہے، اس نے قتل کا ارتکاب عمداً کیا ہو اور اس کے ارادۂ قتل میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو، وہ مختار ہو (یعنی اپنے اختیار سے کام کرنے والا ہو)، وہ خود براہِ راست اس فعل کا مرتکب ہوا ہو، اور جہاں تک مقتول کا تعلق ہے وہ قاتل کا جز (اولاد) نہ ہو، ہر لحاظ سے معصوم الدم ہو، اور اس کا خون قاتل کے خون کے برابر ہو۔ مزید براں یہ بھی ایک اہم شرط ہے کہ مقتول کے ورثا قصاص کے طالب بھی ہوں ——— اگر ورثاء کی جانب سے خون معاف کر دیا جائے، کسی عوض کے مقابلے میں یا بلا معاوضہ[1] تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور قاضی کے لیے قصاص کے نفاذ کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

ان شرائط میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور خونبہا واجب ہوگا۔ الا یہ کہ ورثاء بغیر معاوضہ کے خون معاف کر دیں۔ اس صورت میں خونبہا بھی واجب نہ ہوگا۔ اب ہم ان صورتوں سے قدرے تفصیلی بحث کریں گے جن میں قصاص کی شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی اور توضیح کے لیے ہم ہر صورت کو مثالوں سے واضح کریں گے

(۱) شرائط قصاص میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ قاتل نے قتل کا ارتکاب عمداً کیا ہو اور اس میں کوئی

[1] البدائع والصنائع، الکاسانی ج ۷، ص ۲۳۴ اور اس کے بعد۔

شبہ نہ ہو۔ اگر قتل بالارادہ نہ ہو تو اس میں قصاص واجب نہیں، دیت واجب ہے، جس کا حکم عنقریب آرہا ہے۔

قتل بالارادہ میں شبہ واقع ہو جانے کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ قتل میں دو افراد شریک ہوں اور ان میں سے ایک ایسا ہو کہ اگر وہ اکیلا قتل کا ارتکاب کرتا تو قصاص واجب ہو جاتا، اور دوسرا ایسا ہو کہ اگر وہ اکیلا قتل کرتا تو قصاص واجب نہ ہوتا۔ مثلاً دو قاتلوں میں سے ایک نے عمداً ارتکاب کیا ہو اور دوسرے نے غلطی سے کیا ہو۔ یا صورت یہ ہو کہ ان میں ایک مکلف ہو اور دوسرا غیر مکلف، مثلاً نابالغ یا مجنون۔

اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر بھی قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ دونوں پر دیت واجب ہوگی۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عمداً ارتکاب کرنے والے پر قصاص ہے اور نابالغ یا غلطی سے ارتکاب کرنے والے پر نصف دیت۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال یہ ہے کہ فعل قتل ناقابلِ تجزیہ ہے۔ اور دو آدمیوں کے مل کر قتل کرنے کی صورت میں جس طرح اس بات کا امکان ہے کہ مقتول کی موت اس شخص کی ضربات سے واقع ہوئی ہو جس پر قصاص واجب ہوتا ہے، اسی طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ ضرب کاری اس شخص کی ہو جس پر قصاص واجب نہیں ہے۔ اس سے معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور شبہ کی بنا پر قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کر دیا کرو"۔ پھر جب قصاص ساقط ہو گیا تو اس کا بدل واجب ہو گا یعنی دیت۔

دوسری رائے کا مدار مصلحت پر ہے۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے خون اور جان کی حفاظت کے معاملے میں سختی برتی جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل میں دو افراد کی شرکت کے معنی یہ ہیں کہ گویا ان میں سے ہر ایک نے فرداً فرداً قتل کیا۔ اس لیے ہر ایک کے خلاف مقدمے کا فیصلہ صرف اسی کے حالات کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے گا۔ اس کے دوسرے شریکِ قتل کے بارے میں اگر کوئی مختلف فیصلہ ہوتا ہے تو وہ اس کے فیصلے پر اثر انداز نہ ہوگا۔

میرے خیال میں یہ رائے قابلِ ترجیح ہے کہ مشترکہ قتل میں قاتل بالارادہ پر قصاص نافذ کیا جائے، کیونکہ

جو حالات اس کے ساتھ شریک ہونے والے شخص کی ذات تک محدود ہیں، وہ اس عمداً قتل کرنے والے تک متجاوز نہ ہوں گے جس کے اندر قصاص کی تمام شرائط پوری ہو رہی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ قتل بالارادہ کی شرط بھی اس میں پائی جاتی ہے۔[1] نیز یہ صورت بھی پیش نظر رہے کہ اگر اس بات کا قطعی تعین ممکن ہو کہ فلاں شخص کی ضرب ہی کے نتیجے میں موت واقع ہوئی ہے اور وہ قتل کا ارادہ بھی رکھتا تھا تو اس صورت میں سرے سے وہ شبہ ہی قائم نہیں رہتا جس پر امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کا مدار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی نفاذ قصاص لازمی ہوگا۔[2] بشرطیکہ قتل متعلقہ شخص کی ضربات ہی کے نتیجے میں واقع ہوا ہو۔[3]

(۲) بعض فقہاء نے قتل بالارادہ کی صورت میں قاتل پر قصاص واجب ہونے کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ قتل کا ارتکاب قاتل نے خود براہِ راست کیا ہو، لیکن اگر وہ قتل کا باعث بنا ہو تو اس پر قصاص کا نفاذ نہ ہوگا۔ باعث ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص قتل کے ایسے اسباب فراہم کرے جن کے نتیجے میں عموماً قتل واقع ہو جاتا ہو۔ قتل کا حکم دینے والا اور وہ شخص جو اس کی تعمیل کرتا ہے۔ (آمر و مامور) دونوں قتل کا سبب بننے کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے، اہمیت کی حامل ایک دو صورتوں اور ان کے بارے میں علماء کے درمیان ہونے والے اختلافات کا ذکر کریں گے۔

(۱) قتل کا حکم دینے والے اور اس پر عمل درآمد کرنے والے کے معاملے کی نوعیت عموماً دو طرح کی ہو سکتی ہے اور فقہاء نے ان کے احکام میں فرق کیا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ آمر و مامور کے درمیان

---

[1] یہ بات درست ہے کہ ایک شریک قاتل کے حالات دوسرے پر اثر انداز نہ ہوں گے لیکن امام ابوحنیفہ کی رائے کا مدار "شبہ" پر ہے جو نفاذ قصاص کا ایک منصوص اور مسلّمہ مانع ہے۔ (مترجم)

[2] البدائع، ج ۷، ص ۲۳۵-۲۳۶۔ بدایۃ المجتہد، ابن رشد، ج ۲، ص ۳۳۲۔

[3] اگر یہ متعین ہو جائے کہ شرکائے قتل میں سے ایک ہی کی ضرب کے نتیجے میں موت واقع ہوئی ہے تو دوسرے شرکاء سرے سے قاتل ہی نہیں رہتے۔ انہیں ارادۂ قتل یا اقدامِ قتل کا مجرم کہا جائے گا۔ (مترجم)

جبرو اکراہ کی حالت نہ پائی جاتی ہو اور دوسری یہ کہ حالت جبرو اکراہ موجود ہو، یعنی مامور کو ارتکاب قتل پر مجبور کیا گیا ہو۔

پہلی صورت میں امام مالکؒ، شافعیؒ، ثوریؒ، احمدؒ اور بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قصاص کا نفاذ اس شخص پر ہوگا، جس نے عملاً ارتکاب کیا ہو اور حکم دینے والے کو تعزیری سزا دی جائے گی لیکن بعض فقہاء یہ رائے رکھتے ہیں کہ دونوں کو بطورِ قصاص قتل کیا جائے گا۔

دوسری صورت، یعنی جہاں آمر کو مامور پر اقتدار حاصل ہو، یا جبرو اکراہ کی صورت ہو تو اس میں فقہاء کے تین قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قتل کا حکم دینے والا ہی قتل کیا جائے گا اور مامور پر تعزیری سزا نافذ ہو گی یہ رائے داؤد ظاہریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی ہے، اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ حکم دینے والے کو نہیں بلکہ حکم کی تعمیل کرنے والے کو قصاص میں قتل کیا جائے گا کیونکہ قتل کا ارتکاب براہ راست اس نے کیا ہے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول اسی کی تائید میں ہے۔ امام مالکؒ اور کچھ دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ دونوں کو قتل کیا جائے گا۔

بنائے اختلاف یہ ہے کہ جو لوگ مامور کو قصاص سے بری کرتے ہیں ان کا اعتماد اس دلیل پر ہے کہ ایک مجبور آدمی اس شخص کے مانند ہے جو صاحب اختیار نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ "جبر" شریعت میں متعدد ذمہ داریوں کے سقوط کا سبب بن جاتا ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مامور کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ انہوں نے اس کے با اختیار ہونے کے پہلو کو اہمیت دی ہے، کیونکہ وہ ایک لحاظ سے مختار ہوتا ہے اور ایک پہلو سے مجبور، جیسے ایک شخص بلندی سے گرتا ہے اور ہوا اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاکر پھینک دیتی ہے۔ اور جو لوگ دونوں کو قصاص میں قتل کرنے کے قائل ہیں، وہ نہ مامور کو محض اکراہ کی وجہ سے معذور سمجھتے ہیں اور نہ آمر کو براہِ راست شریکِ قتل نہ ہونے کی وجہ سے بری الذمہ ٹھہراتے ہیں اور جو لوگ صرف آمر کو قصاص میں قتل کرنے کے قائل ہیں۔ وہ قاتل کو ایک بے جان آلۂ قتل پر قیاس کرتے ہیں، کیونکہ وہ آمر کے ہاتھ میں مسخر ہے اور اس نے جو حکم اسے دیا ہے وہ اسے رد نہیں کر سکتا۔

مالکیہ نے اپنے مسلک پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اگر بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کو ذبح کر کے کھالے اور اپنے آپ کو ہلاکت سے بچائے۔[1]

جو حضرات قاتل اور آمر کے لیے ایک ہی سزا تجویز کرتے ہیں ان کی رائے مصر اور اکثر دوسرے ممالک کے رائج الوقت قانون تعزیرات سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان قوانین میں شریک جرم کے لیے وہی سزا ہوتی ہے جو اس جرم کے اصل مرتکب کو دی جاتی ہے۔ جرم پر آمادہ کرنا، اس سے اتفاق کرنا اور اس میں تعاون کرنا سب کے سب شرکت جرم کی تعریف میں آتے ہیں۔ قتل کا حکم دینا اکثر صورتوں میں قتل پر اُکسانے کا ہم معنی ہے، اس بنا پر جدید قانونی اصطلاح کے مطابق ایسا حکم دینے والا قتل کا ارتکاب کرنے والے کا شریک متصور ہوگا۔[2] (باقی)

---

[1] بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ابن رشد، ج ۲، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔ الاحکام السلطانیہ الماوردی، ص ۲۲۱۔ المغنی، ابن قدامہ، ج ۹ ص ۳۳۰، ۳۳۱۔

[2] دیکھیے الاحکام العامۃ فی قانون العقوبات۔ ڈاکٹر سعید مصطفیٰ سعید، طبع ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۲ء) ص ۲۸۳ اور اس کے بعد۔ الموسوعۃ الجنائیۃ، جندی عبدالملک ج ۱ دفعہ ۶۷۔ جرانمولان فی العقوبات ج ۱ دفعہ ۶۲۸، ۶۳۰۔

آسان انگریزی زبان میں بچوں کی دینی تعلیم کے لیے

ماہنامہ

دی لٹل اسٹار

قیمت فی پرچہ سوا روپیہ ۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ

پتہ: دی لٹل اسٹار۔ ۷۰۰۔ ۱۔ ۲۲ نور خان بازار۔ حیدرآباد ۲۴ (انڈیا)